

PDFBOOKSFREE.PK

ج

- 63 وہ ظلمتیں ہیں کہ شاید قبول شب بھی نہ ہوں
64 نہجائی و منع بسمل انتہائیک
65 میرے غصہ کے موسیٰ
70 مکین خوش تھے کہ جب بند تھے مکانوں میں
71 عشق کا شہر بھی دیکھو کیا نیرنگ بھرا ہے
73 اب کے ہم پر کیسا سال پڑا لوگو
74 جانے کس زعم میں مقتل کو سجا کے تم ہو
76 اک بوند تھی لہو کی سردار تو گری
ایک بد نما صبح کے بارے میں کچھ نظمیں

- 79 سارا شہر بلکتا ہے
81 جلا و
83 چلو اس شہر کا ماتم کریں
86 عرف کی شہادت
88 جب یار نے رخت سفر باندھا
89 لباس دار نے منسوب نیا دیا ہے اسے
91 ریتجگے ہوں کہ بھر پور نیندیں مسلسل اسے دیکھنا

شہر غزل کی گلیوں میں دلگیر ترے
تجھ سے تیری باتیں کرتے جاتے ہیں

ناموجود

اے خدا تری مخلوق
جبر کے اندھیروں میں
دفن ہو چُپکی کب کی
تیرے آسمانوں سے
نامزد فرشتوں کی
اب سفارتیں کیسی

بے وجود بستی میں
لوگ اب نہیں رہتے
سکیاں سکتی ہیں
سائے سرسراتے ہیں
سُورجوں، ستاروں کی
اب سفارتیں کیسی

جو کچھ کہیں تو دریدہ دہن کہا جائے 93
گرفتہ دل غنڈیب، گھایل گلاب دیکھے 94
دشمن کا قصیدہ 96
وفا کے بھیس میں کوئی رقیب شہر بھی ہے 98
دواؤں کی بشارت 100
مت قتل کرو آوازوں کو 102
عجب شہر تھا، اور عجب لوگ تھے 104
یہ کس عذاب سے خائف مرا قبیلہ ہے 106
جنہیں زعم کمانداری بہت ہے 107
شہر آشوب 108
محاصرہ 113

دوسری ہجرت

○

جاناں دل کا شہرہ نگر افسوس کا ہے
تیرا میرا سارا سفر افسوس کا ہے

کس چاہت سے زہرِ تمنا مانگا تھا
اور اب ہاتھوں میں ساغرِ افسوس کا ہے

اک دھیلز پہ جا کر دل خوش ہوتا تھا
اب تو شہر میں ہر اک در افسوس کا ہے

ہم نے عشق گناہ سے برتر جانا تھا
اور دل پر پہلا پتھر افسوس کا ہے

پھر مرے منہ سے پیغمبر
ہجرت کر کے چلا گیا ہے

اور اب پھر سے
کعبہ کے رُومِ خوردہ بُت
اصنامِ طلائی
اپنی اپنی سند پر آئیٹھے ہیں
سچ کا لہو

اُن کے قدموں میں
عُتّابی قالین کی صورت بچھا ہوا ہے
کھوابی خیموں کے اندر
بزمِ صریحاں پھر بھتی ہے
کذب و ریا کی دُفن بھتی ہے

○

دیکھو اس چاہت کے پیڑ کی شاخوں پر
نبول اُداسی کا ہے، مگر افسوس کا ہے

شعر کسی کے ہجر میں کہنا صرفِ وصال کسی سے
ہم بھی کیا ہیں دھیسان کسی کا اور سوال کسی سے

کوئی پچھتاوا سا پچھتاوا ہے فراز
دُکھ کا نہیں افسوس، مگر افسوس کا ہے

ساری متاعِ ہستی اپنی خواب و خیال تو ہیں
وہ بھی خواب کسی سے مانگے اور خیال کسی سے

ایسے سادہ دل لوگوں کی چپارہ گری کیسے ہو
درد کا درماں اور کوئی جو کہہ سکا حال کسی سے

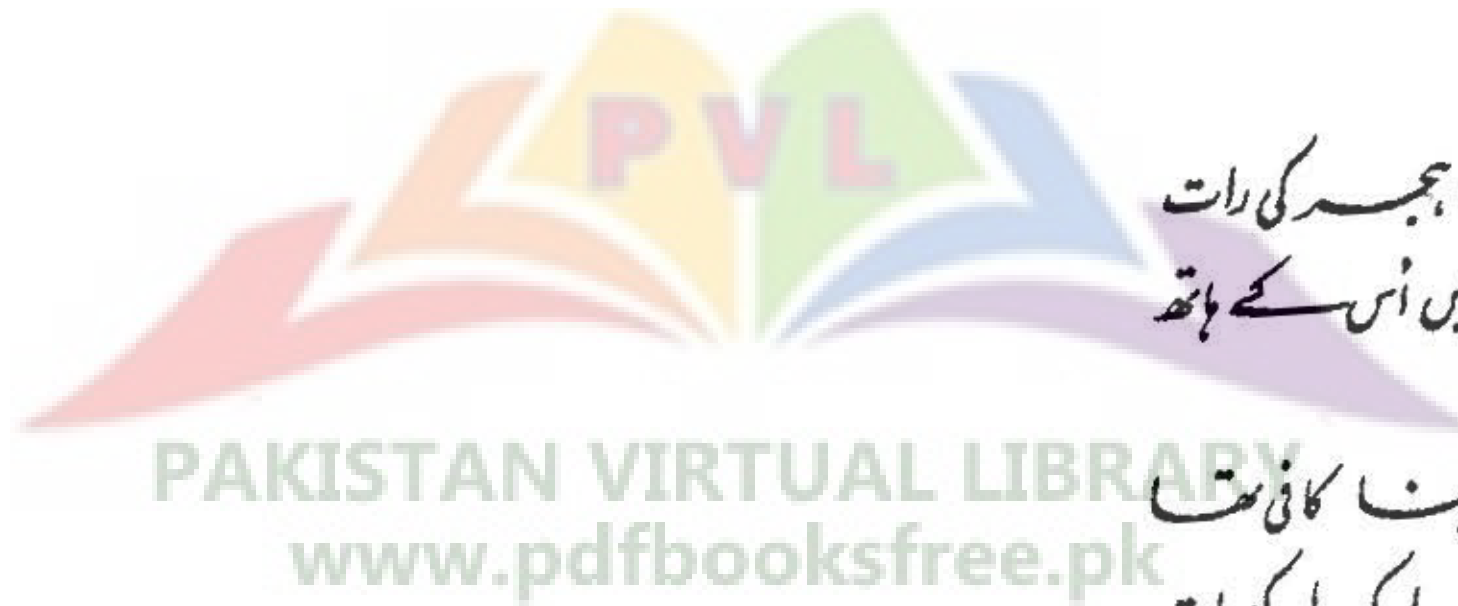
دیکھو اک صورت نے دل میں کیسی جوت جگائی
کیا بجا بجا لگتا ہے شہرِ مالاں کسی سے

تم کو زعمِ فراز اگر ہے تم بھی جتن کر دیکھو
آج تک تو ٹوٹ نہ پایا درد کا جال کسی سے

محو تکلم دُنیَا بھر کے لوگوں سے
لیکن آنکھ میں دُہسے دِل میں اُسکی بات

شہرِ محبت کب سے خالی خالی مئے
ہم بھی فرازِ یہاں ہیں شاید رات کی رات

○



سویا تھا یا جاگ رہا تھا، جس کی رات
آنکھوں پر محسوس کیئے ہیں اُس کے ہاتھ

اُسکو دیکھنا دیکھتے رہنا کافی تھا
لوٹ آیا ہوں دِل میں لے کر دِل کی بات

کیسے اب میں ادروں کو بے درد کہوں
میں بھی تھوڑی دُور گیا تھا اُس کے ساتھ

بُہت زمانوں بعد کوئی واپس آیا
لے کر بھولی ب سری یادوں کی سوغات

یہ نہیں بھی کیا ہوں اُسے بھول کر اُسی کا رہا
کہ جس کے ساتھ نہ تھا ہم سفر اُسی کا رہا

فضا بے ابر شاخیں بے ثمر ہیں
پرندوں سے شجر محروم تر ہیں

وہ بت کہ دشمن دیں تھا بقول ناصح کے
سوالِ سجدہ جب آیا تو دُر اُسی کا رہا

کوئی موسم قرینے کا نہ آیا
ہواؤں کے سُخن نا معتبر ہیں

ہزار چارہ گروں نے ہزار باتیں کیں
کہا جو دل نے سُخن معتبر اُسی کا رہا

تری قُربت کے لمحے پھول نیسے
مگر پھولوں کی عسمریں مختصر ہیں

بُہت سی خواہشیں سو بارشوں میں بھیگی ہیں
نیں کس طرح سے کہوں عسمر بھرا اُسی کا رہا

بُہت سے زحمت تیرے نام کے تھے
اسی باعث بُہت سے چسارہ گریں

کہ اپنے حرف کی توقیر جانتا تھا فراز
اسی لئے کفِ متال پہ سر اُسی کا رہا

پڑے ہیں شربتوں میں فاصلے وہ
کہ جو نزدیک تر تھے دُور تر ہیں

بن باس

شبِ افسوس کے نبھتے چہرا غو
ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی رات بھر ہیں

سراز اپنا مستدر نگہاری
ہمیں اس عہد کے آئینہ گر ہیں

میرے شہر کے سارے رستے بند ہیں لوگو
میں اس شہر کا نغمہ گر
جو دو اک موسمِ غریب کے دکھ بھیل کے آیا
تاکہ اپنے گھر کی دیواروں سے
اپنی تھکی ہوئی اور ترسی ہوئی
آنکھیں سہلاؤں

اپنے دروازوں کے اترتے روغن کو
اپنے اشکوں سے صیقل کر لوں
اپنے چین کے جلے ہوئے پودوں
اور گرد آلود درختوں کی
مردہ شاخوں پر بین کروں
ہر مہجور ستون کو اتنا ٹوٹ کے چوموں
میرے لبوں کے خون سے

سنگینوں سے بات کریں
میں اُن سے کہتا ہوں
دیکھو
میں اس شہر کا نغمہ گر ہوں
برسوں بعد کڑی راہوں کی
ساری اذیت جھیل کے اب واپس آیا ہوں
اس مٹی کی خاطر
جس کی خوشبوئیں
دُنیا بھر کی دوشیزاؤں کے جسموں کی مہکوں سے
اور سارے جہاں کے
سبھی گلابوں سے
بڑھ کر ہے
مجھ کو شہر میں
میرے شہر میں جانے دو
لیکن تنے ہوئے نیزوں نے
میرے جسم کو یوں برمایا
میرے ساز کو یوں ریزایا

ان کے نقش و نگار سبھی جی اُٹھیں
گلی کے لوگوں کو اتنا دیکھوں
اتنا دیکھوں
میری آنکھیں
برسوں کی ترسی ہوئی آنکھیں
چہروں کے آئین بن جائیں
پھر میں اپنا ساز اُٹھاؤں
آنسوؤں اور مسکانوں سے جھل جھل
نظیں غزلیں گیت سناؤں
اپنے پیاروں
درد کے ماروں کا درماں بن جاؤں
لیکن میرے شہر کے سارے رستوں پر
اب باڑھ ہے لہے کے کانٹوں کی
شہ دروازے پر کچھ پہرہ دار کھڑے ہیں
جو مجھ سے ادھ مجھ جیسے دل والوں کی
پہچان سے ماری
میرے ساز سے

میرا ہمکتا خون اور میرے سسکتے نغمے
شہ دروازے کی دھیلنے سے
رستے رستے
شہر کے اندر جا پہنچے ہیں
اور میں اپنے جسم کا طبع
ساز کا لاشہ
اپنے شہر کے شہ دروازے
کی دھیلنے پر پھوڑکے
پھر انجانے شہروں کی شہراہوں پر
مجبور سفر ہوں
جن کو تاج کر گھر آیا تھا
جن کو تاج کر گھر آیا تھا

○
شہر کتاب اُپر گیا، حرف برہنہ سر ہوئے
نغمہ سے سرمہ در گلو، شعر وطن بدر ہوئے

موسم درد کے صنفیر جو بھی ندیم تھے، سوتھے
اب تو سبھی فریفتہ دانہ و دام پر ہوئے

جام و سب کو آبرو اہل ہوس کے ہاتھ ہے
جب سے فقیہہ و محاسب شہر میں معتبر ہوئے

سرد جواں کی موت پر روئیں گی قمریاں بہت
یوں تو بے فیض باغباں قتل کئی بخش ہوئے

در غور حرفِ یار تھے جن کے لئے ہمیں فراز
آج وہی ستم ظریف غیر کے نامہ بر ہوئے

فیض کے فراق میں

○

کب ہم نے کہا تھا ہمیں دستار و قبا دو
ہم لوگ نرا گر ہیں ہمیں اذنِ نوا دو

ہم آمنے لائے ہیں سرِ کوئے رقیباں
اے شبِ فروشو یہی الزام لگا دو

لگتا ہے کہ میلہ سا لگا ہے سرِ مقل
اے دلِ زدگاں بازوئے قاتل کو دُعا دو

ہے بادہ گساروں کو تو میخانے سے نسبت
تم مسندِ ساتی پر کسی کو بھی بھٹا دو

میں شب کا بھی مجرم تھا سحر کا بھی گنہگار
لوگو بچھے اس شہر کے آداب رسکھا دو

اے ماٹی کے لال تجھے سب یاد کریں
یاد کریں بھگی آنکھوں
اور دُکھتے دلوں سے یاد کریں
ہر سال

اے ماٹی کے لال تجھے سب یاد کریں
تیری کویت میری تیری دھرتی کی سچائی
تیرے بول ہیں سارے گونجے شہروں کی گویائی
تیرے گیت ہیں امن کی نئے اور آشتی کی شہنائی
آنگن اور چوپال تجھے سب یاد کریں
یاد کریں بھگی آنکھوں
اور دُکھتے دلوں سے یاد کریں
ہر سال

اے ماٹی کے لال

کوئی تجھے دُنیا اپنائے لیکن اپنا شہر
اپنا شہر کہ حدِ نظر تک جیسے لہو کی نہر
یا منصورِ مسیح کی سولی یا سُقراط کا زہر
ہم آشفۃ حال تجھے سب یاد کریں

یاد کریں ہر سال

اے ماٹی کے لال

ہجر کی رت گئے روز رہے گی

اور فقط کچھ روز

وصل کی ساعت آپہنچے گی

اور فقط کچھ روز

راہ کی ہر دیوار گرے گی

اور فقط کچھ روز

گلے میں باہنیں ڈال تجھے سب یاد کریں

اے ماٹی کے لال

تجھے سب یاد کریں

تجھے سب یاد کریں

(ستردیں ساگر پر)

○

سرد و سنو بر شہر کے مرتے جلتے ہیں
سارے پرندے ہجرت کرتے جلتے ہیں

پھر سے ٹوٹ کے رونے کی رت آئی ہے
پھر سے دلوں کے زخم نکھرتے جاتے ہیں

جھوٹی سچی تعبیروں کی خواہش میں
کیسے کیسے خواب بکھرتے جاتے ہیں

کیسے کیسے یاروں کا بہرِ دُپ کھلا
کیسے کیسے خول اُترتے جاتے ہیں

ان حالوں کب اپنے آپ کو دیکھا تھا
کہنے کو دن رات گزرتے جاتے ہیں

رہگیروں کی خاموشی کو غور سے سُن
یوں ہے جیسے ماتم کرتے جاتے ہیں

ماں مٹی نے خوں مانگا تھا اور بیٹے
پانی سے تالاب کو بھرتے جاتے ہیں

کبھی کبھی کوئی ایسا مُسافر آتا ہے
رستے اپنے آپ سنورتے جاتے ہیں

کوئی نیا احسان کہ ہم دمِ دیرینہ
جتنے پرانے زخم تھے بھرتے جاتے ہیں

شہرِ غزل کی گلیوں میں دِگبیر ترے
تجھ سے تیری باتیں کرتے جاتے ہیں

کب تک فگارِ دل کو تو آنکھوں کو نم کریں
آؤ حدیثِ قاتل و بھل رستم کریں

رندو اٹھاؤ حجام کہ بس ہو چکی بُہت
تا چند پاسِ بیعتِ شیخِ حرم کریں

آنکھوں کے طاقچوں میں جلا کر چراغِ درد
خونِ جگر کو پھر سے سُپرِ دستم کریں

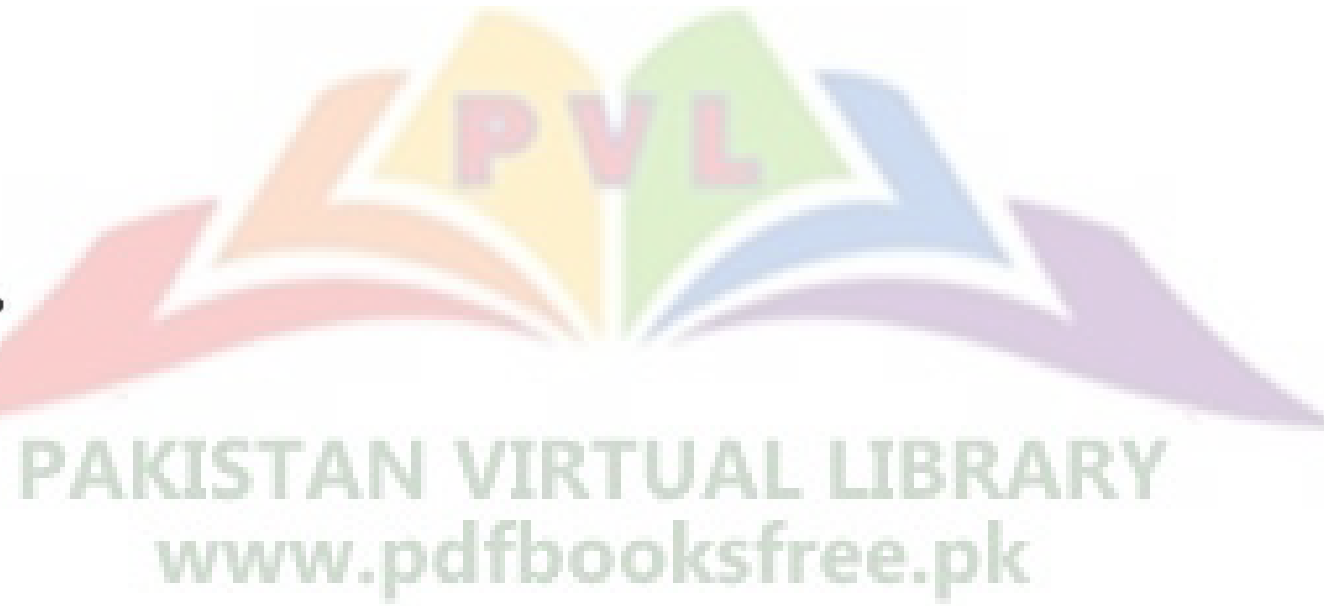
تا چند جشنِ مرگِ رفیقاںِ من کے ہم
اسبِ دلنوازیِ قاتلِ بہم کریں



دلِ ادیس و چادرِ زہرا کدھر گئی
دزدانِ نیم شب سے تقاضا تو ہم کریں

زخموں سے چور جسم بنائیں نشانِ راہ
جو ہاتھ کٹ چکے ہیں انہیں کو علم کریں

قیدِ تنہائی
چند عبارتیں



مانکریمپ،،،

آشیاں گم کردہ

عجب منظر سوادِ شام کے آنکھوں میں پھرتے ہیں
ہوا سُورج کی مشعل کو جلاتی ہے بھجاتی ہے

افق پر کتنی تصویریں اُبھرتی ہیں بکھرتی ہیں
شفق میں آشنا چہروں کی رنگت پھیل جاتی ہے

تو دامنِ نظر میں بے محابا پھول کھلتے ہیں
تو جیسے جو سب یادِ یاراں گنگناتی ہے

وہ ہمدم مجھ کو حیران و پریشان ڈھونڈتے ہوں گے
کہ جن کی مہرباں آنکھوں میں شبِ نیم جھللاتی ہے

قفس میں روزِ دین و دیوارِ دُرخشم در نہیں لیکن
نوائے طائرانِ آشیاں گم کردہ آتی ہے

پہلی آواز

اتنا سنا کہ جیسے ہو سکوتِ صحرا
ایسی تاریکی کہ آنکھوں نے دُہائی دی ہے

جانے زنداں سے اُدھر کونسے منظر ہونگے
مجھ کو دیوار ہی دیوار دیکھائی دی ہے

دُور اکِ فاختہ بولی ہے بہت دُور کہیں
پہلی آوازِ محبت کی سنائی دی ہے

نہ کوئی شمع کشتہ شب ہے
نہ کوئی عنذیبِ سینہ گداز

غلوتِ عنم نہ بزمِ رسوائی
نہ سوالِ طلب نہ عرضِ نیاز

چار سو اک نھیلِ بے درہے
چار جانبِ حصارِ بے انداز

نیزد کے طائرانِ بے پروا
شاخِ مرگاہ سے کر گئے پرواز

ایسی دیرانیوں سے گھبرا کر
جب اٹھاتا ہوں تیری یاد کا ساز

توڑ دیتی ہے سلسلے سارے
پہرہ داروں کی بدشا آواز

پچھلا پہر

نہ کہیں شہرِ مہرباں کی ہوا
نہ کوئی یارِ ہمدم و دمساز

نہ سرِ بامِ زلفِ آوارہ
نہ سرِ راہِ چشمِ فتنہ طراز

نہ کہیں کوئے چاکِ دامان
نہ کہیں روئے دستانِ فراز

نہ کوئی بیتِ بیدل و غالب
نہ کوئی شعرِ حافظِ شیراز

غزالاں تم تو واقف ہو

غزالاں تم تو واقف ہو سو ہو مجنوں پہ جو گزری
جو نالہ محلِ لیلے میں تھا ہم بھی سمجھتے ہیں

ہنس والوں کو کیا کیا ناز ہے اپنے قرینوں پر
مگر رسمِ ورہِ شہر و منام ہم بھی سمجھتے ہیں

یونہی آئے نہیں ہیں کوچہ چاکِ گریباں میں
مزاجِ دلِ محبت کی اداسی ہم بھی سمجھتے ہیں

”بہار آنے سے پہلے پیرہن میں آگ لگتی ہے“
لسانِ لالہ آتشِ قباس ہم بھی سمجھتے ہیں

بیادِ جاناں

دلِ قفس میں بھی غزلِ خواں ہے بیادِ جاناں
غمِ جاں بھی غمِ جاناں ہے بیادِ جاناں

کب رگِ دپے میں نہ تھا درد کا قاتلِ نشتر
آج پیوستِ رگِ جاں ہے بیادِ جاناں

یوں صبا آتی ہے گلگشت کو نیسے زنداں
کوچہ چاکِ گریباں ہے بیادِ جاناں

پاس کیا تھا

چاند رکتا ہے نہ آتی ہے صبا زنداں کے پاس
کون لے جائے مرے نلے مرے جاناں کے پاس

اب بجز ترکِ دستِ کوئی خیال آتا نہیں
اب کوئی حیلہ نہیں شائد دلِ ناداں کے پاس

چند یادیں زورِ گرہیں خیمہٴ دل کے قریب
چند تصویریں بھلکتی ہیں صُصْبِ مِزگاں کے پاس

شہرِ دلے سب امیرِ شہر کی مجلس میں ہیں
کون آئے گا غریبِ شہرِ ناپرساں کے پاس

لوگ کیوں کرتے ہیں اب چارہ گری کے تذکرے
اب بجز حرفِ تنہی کیا ہے غمِ خواراں کے پاس

پاس کیا ممتا کہ لُٹتی دُنیا
مسم توکل بھی تھے بے سرو ساماں

آج دیوارِ پکھج گئی غمے اگر
شہرِ کل بھی تھا سُورستِ زنداں

کب یتر ہوا ممتا روزِ وصال
کب ممتا نہ تھی شبِ ہجراں

اک متاعِ سخن تھی پاس اپنے
ایک سازِ دستِ تھا دولتِ جاں

اب بھی خوش بخت ہیں ترسے وحشی
اب بھی خوش وقت ہیں ترسے نادال

دردِ مٹاؤں ہے یادِ باقی مے
اک تری دیدِ چمن گنی جانان

اے شہر میں تیرا نغمہ گر ہوں

گیتوں سے تجھے بُھانے والا
خوابوں سے تجھے سجانے والا
میں تیری اداس ساعتوں میں
رودنے والا، رُلانے والا
میں تیری خوشی کی محفلوں میں
نغموں کے چراغ لانے والا

ہر راہ میں تیرا ہمسفر ہوں
اے شہر میں تیرا نغمہ گر ہوں

ندیم آنکھیں ندیم چہرہ

ندیم چُپ تھا
مگر سدا کی شفقت آنکھوں پہ
دُکھ کی کاٹی جی ہوئی تھی
سدا کے اُس مہربان چہرے کا زحمت
جو کب کا بھر چکا تھا
وہ پھر ہرا ہو کے کچھ لبِ دل و جگر تک پہنچ چکا تھا
ندیم چُپ تھا
مجھے تو ایسا لگا کہ جیسے
کسی نے اُس کے نحیف شانوں سے
اُسکے زندہ وجہ سر کو ہٹا کے
زُوبی کا ساختہ چہرہ سفالیں
لگا دیا ہے۔

اب ہاتھوں میں مرے ہتھکڑی ہے
اب پاؤں میں میرے بیڑیاں ہیں
اب دستِ صبا ہے دستِ قاتل
اب ابرِ کرم میں بجلیاں ہیں
اب جسِ دوامِ میری قیمت
یا میرا نصیب پھانیاں ہیں

میں اپنی خطا سے بے خبر ہوں
اے شہر میں تیرا نغمہ گر ہوں

پھر بھی نہیں جی کو رنج کوئی
اور آنکھوں میں اشکِ غول نہیں ہے
پھر بھی نہیں دردِ دل گرفتہ
میں نالہ بلب ہوں یوں نہیں ہے
دیکھوں تو بیاضِ شعرِ میری
اک حرف بھی سرنگوں نہیں ہے

زنداں میں ہوں کہ اپنے گھر ہوں
اے شہر میں تیرا نغمہ گر ہوں

میرے پیاروں کو مل رہی تھی
یہ ساعتِ جانستہاں کڑی تھی
اور اس سے پہلے کہ سچ کا پندار
داہموں سے شکست کھاتا
ندیم کی مہربان آنکھیں
ندیم کے دلتوازل لب مجھ سے کہہ رہے تھے
قرازم ہم تم تو وہ ہیں
جن کے نصیب میں زندگی کی ساری اذیتیں ہیں
کہ جس مسافت پر ہم چلے ہیں
وہ حرفِ حق کی مجاہدت ہے
ہمیں نہ حرصِ حشم نہ مال و منال کی آرزو رہی ہے
نہ ہم کو طبل و مسلم نہ جاہ و جلال کی جستجو رہی ہے
بس اک قلم ہے کہ جس کی ناموس
ہم فقیروں کا نکلِ آتش ہے آبرو ہے
بس ایک سچ ہے
کہ جسکی حرمت کی آگہی سے
مرے بدن میں تیرے بدن میں

یہ کربِ ضبطِ الم کی حد تھی
بہت سے احباب جمع تھے
جب
عدالتِ عالیہ کے ایوان سے
میں حراست میں
باجر آیا
ادھر ادھر لوگ حال احوال پوچھنے کے لئے
کھڑے تھے
تو کشور و کامراں کی آنکھوں میں بسکیاں
اور گلے میں آنسو اٹک گئے تھے
یہ وہ گھڑی تھی
کہ میرے اندر کے حوصلوں کی
بھی چٹانیں ترخ رہی تھیں
وہ زلزلہ سا وجود میں تھا
کہ میری بنیاد بل رہی تھی
گناہ میرے قلم کا سچ تھا
اور اسکی پاداش میرے پیاروں کو

شرمندگی کے خنجر برس رہے ہیں
یہاں تو ہر راہرو کی گردن میں طوق پاؤں میں بٹریاں ہیں
یہاں تو زنداں کی ظلمتیں اور قتل گاہوں کی لالیاں ہیں
مگر کبھی میں رُکا نہیں ہوں، مگر کبھی میں جھکا نہیں ہوں
یہی تو دشتِ وفاس ہے جس میں
تمہارے جسموں ہمارے جسموں
کے ہر طرف استخاں پڑے ہیں
یہی تو وہ رستے ہیں جن میں
صد اقتوں کے امیں لڑے ہیں
فقط ہمیں تو نہیں اکیلے
یہاں بہت سے علم گڑے ہیں
انہیں کے اشارے ہی جانبر صداقتیں ہیں
انہیں کے افکار سے ہی
ہم اہلِ دل کی باہم رفاقتیں ہیں
تمہارے بازو ابھی تو انا ہیں
جسم میں خون کھولتا ہے

برے قلم میں ترے قلم میں
وہی لہو ہے
کہ جس سے عرفان کی نمونہ ہے
کہ جس سے انساں کی آبرو ہے
ابھی سے تم ڈولنے لگے ہو
ابھی سے نکلے کے مقابلے میں مغربیتیں ترلنے لگے ہو
مجھے بھی دیکھو
کہ جس کے پیراہنِ دل و جاں پہ ساٹھ
پیوند لگ چکے ہیں
تمام پیوند زندگی کی دویتیں ہیں
مگر مجھے مضجیل بھی دیکھا؟
کبھی مجھے منفعل بھی دیکھا؟
میں اب بھی دشتِ وفا میں گرم سفر ہوں گرم سفر ہا ہوں
کہ میں سمجھتا ہوں
یہ وہ صحرائے درد ہے جس میں
تشنگی ہے، گرسنگی ہے، برسنگی ہے
یہاں ملامت کے ننگ — طعنوں کے تیر

قلم سے عہد وفا کیا ہے
قلم تو پھر سچ ہی بولتا ہے
اٹھاؤ آنکھیں کہ سچ امر ہے
قلم کا جب دان معتبر ہے

○

نیں کچھ زنداں میں آچکا ہوں
مگر ابھی تک
مری نگاہوں کے سامنے ہیں
ندیم آنکھیں ندیم چہرہ

ہر کوئی طرفہ پچاک پہن کر نکلا
ایک میں پیرہن خاک پہن کر نکلا

اور پھر سب نے یہ دیکھا کہ اسی مقتل سے
میرا قاتل میری پوشاک پہن کر نکلا

ایک بندہ تھا کہ اوڑھے تھا خدائی ساری
اک ستارہ تھا کہ افلاک پہن کر نکلا

ایسی نفرت تھی کہ اس شہر کو جب آگ لگی
ہر گولہ خس و خاشاک پہن کر نکلا

ترکش و دامِ حبث لے کے چلا ہے صیّا
جو بھی نچیر ہے فتراک پہن کر نکلا

اُس کے قامت سے اُسے جان گئے لوگ فراز
جو لبادہ بھی وہ چالاک پہن کر نکلا

قاصدِ کبوتر

یہ لہو
جس سے برے
شہروں کے سارے رستے
مٹ گئے ہیں
اور ہر پیرِ جن کا رنگ عتابی ہے
کل کے موسموں
اور آنے والے
سورجوں
کا زمزمہ گرہے۔

عفريت

خوفزدہ مائیں
بچوں کو سینوں سے لٹکائے
تھر تھر کانپ رہی ہیں

بستی دالے کہتے ہیں

برسوں سے

اس قریہ میں

اک آدم خور عفریت ہے

جس کے بہت سے چہرے ہیں

اور جس گھر میں بھی

کسی صدا کی شمع جلے

چلو تم نے تو
کالی سرخیاں
مقراض کر ڈالیں
سخن پنچیر کر ڈالے
قلم زنجیر کر ڈالے
مگر اب ان ہواؤں کو بھی روکو
جو تمہارے مقتلوں کی لالیاں
اور تازہ غلوں کی خوشبوئیں
اور اُن کی آوازیں لینے
گلیوں سے

بازاروں سے

شہراہوں سے ہو کر

ہر طرف

قریہ بستر یہ

پھیلی جاتی ہیں

نادانوں

ہوائیں نامہ بر بنتی ہیں

جب قاصد کبوتر قید ہوتے ہیں

اُن کی آنکھیں
لہو لہان
اور الگ الگ اور ٹکڑے ٹکڑے ملی ہیں
اس منظر کی دید سے ایتک
بستی والوں کے
مُنہ پر
اور آنکھوں پر
خود اُنکے اپنے ہاتھ دھرے ہیں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

یا کبھی دُعا کا پھول کھلے
وہ صبح سے پہلے
سارے گھر کو کھا جاتا ہے
کتنی بار کئی
دل والے
اپنے دکھی سینوں میں غم کے جگر جگر اٹھکاتے
اور زخمی آنکھوں میں
جھلک جھلک تارے لے کر
اس حضرت کی کھوج میں نکلے
لیکن اگلی شام
اس ٹیڑھی ترچھی پگڈنڈی پر
جو کالے سانپوں
اور پیلے کانٹوں والے
جگل کو جاتی ہے
اُن کے سر
انکے بازو

اس درد کے موسم نے عجب آگ لگائی
جسموں میں دہکتے ہیں گلاب اور طرح کے

داعظ سے فراز اپنی بنی ہے نہ بنے گی
ہم اور طرح کے ہیں جناب اور طرح کے

اب لوگ جو دیکھیں گے تو خواب اور طرح کے
اس شہر پہ اُتریں گے عذاب اور طرح کے

اب کے تو نہ چہرے ہیں نہ آنکھیں ہیں نہ لب ہیں
اس عہد نے پہنے ہیں نقاب اور طرح کے

اب کوچہ و تال سے بلاوا نہیں آتا
قاصد ہیں کہ لاتے ہیں جواب اور طرح کے

سو تیر تراژڈ ہیں رگِ جاں میں تو پھر کیا
یاروں کی نظر میں ہیں حساب اور طرح کے

○

○

بیچ رکھتے ہو بہت صاحبو دستار کے بیچ
ہم نے سرگرتے ہوئے دیکھے ہیں بازار کے بیچ

باغبانوں کو عجب رنج سے تکتے ہیں گلاب
گل فروش آج بہت جمع ہیں گلزار کے بیچ

اپنی ہی آواز کو بے شک کان میں رکھنا
لیکن شہر کی خاموشی بھی دھیان میں رکھنا

میرے جھوٹ کو کھولو بھی اور تولو بھی تم
لیکن اپنے سچ کو بھی میزان میں رکھنا

قاتل اس شہر کا جب بانٹ رہا تھا منصب
ایک درویش بھی دیکھا اُسی دربار کے بیچ

کل تاریخ یقیناً خود کو دھرا ئے گی
آج کے اک اک منظر کو پہچان میں رکھنا

کچ اداؤں کی عنایت ہے کہ ہم سے عشاق
کبھی دیوار کے پیچھے کبھی دیوار کے بیچ

بزم میں یاروں کی شمشیر لہو میں تر ہے
رزم میں یسکن تلواروں کو میان میں رکھنا

تم ہو ناخوش تو یہاں کون ہے خوش پھر بھی فراز
لوگ رہتے ہیں اسی شہرِ دل آزار کے بیچ

آج تو لے دل ترک تعلق پر تم خوش ہو
کل کے پچھتائے کو بھی امکان میں رکھنا

اس دریا سے آگے ایک سمندر بھی ہے
اور وہ بے ساحل ہے یہ بھی دھیان میں رکھنا

اس موسم میں گلہانوں کی رسم کہاں ہے
لوگو اب پھولوں کو آستان میں رکھنا

○

وہ غلتیں ہیں کہ شاید قبولِ شب بھی نہ ہوں
مگر حصارِ فلک میں شکاف اب بھی نہ ہوں

تمام شہرے شائستگی کا زہر پیئے
نہ جانے کیا ہو جو دو چار بے ادب بھی نہ ہوں

وہ ساتیں ہیں عنایاتِ چشم و لب تو گئیں
وہ چاہتے ہیں حکایاتِ چشم و لب بھی نہ ہوں

ہر اک پہ وا نہ کرو شہرِ دل کا دروازہ
کہ آنے والوں میں دزدانِ نیم شب بھی نہ ہوں

مجھے تو ڈر ہے کہ شیخِ حرم کے ہاتھوں سے
کہیں مری طرح رسولِ رب بھی نہ ہوں

میرے عصر کے موسیٰ

○

مالک
میں لفظوں کا گڈ ریا
عرفوں کے بڑ خالے
میری دنیا ہے
اس دنیا اور اسکے دکھوں کے
بھونچالوں سے
جب بھی مجھے پل دوپل ملے
اور تجھے
سارے افلاک
اور ساری زمیںوں
کے سارے بنے والوں کے
سارے جھوٹ اور سارے سچ کے
جنجالوں سے ٹہلت ہتی
ہم آپس میں باتیں کرتے

نبھائی وضعِ بسمل انتہا تک
نہ مانگتا تلوں سے ٹونہا تک

نہ جانے کیا ہوا زندانیوں کو
کہ بے آواز سے زنجیرِ پاتا تک

اڑا کر لے گئیں ان موسموں میں
ہوائیں بے نواؤں کی روتا تک

دفا کے نام پر کچھ شعبہ گر
چرا لیتے ہیں ہاتھوں کی جنا تک

فراز آنکھیں گنوائیں عمر کھوئی
کہا تھا کس نے اُس کا راستہ تک

تکے تکے
کبھی کبھی تھک جاتا ہوگا
تیرے گیسو
کاکشاں کی دھول سے اٹ جاتے ہونگے
اور تیرے شانے
سارے زمانے کے انبار سے
ڈکھتے ہوں گے
تیرے پاؤں
ازل سے لے کر ابد تک
پھیلے ہوئے صحراؤں کے سفر سے
چالوں سے پٹ جاتے ہوں گے
اور تیرے پیوند لگے
طبوس کے نیچے
شاید جگہ جگہ سے
نکل چکے ہوں
ماک
ٹو اک روز اگر

سیدھی سچی پیاری باتیں
جبر اور مکر سے عادی باتیں
ٹوش بنم تھا تو موتی تھا تو خوشبو تھا
میں پتا تھا میں پتھر تھا میں آنسو تھا
لیکن میل رہا دونوں کا
دونوں ہی نے اکثر
سنا کہا دونوں کا
مالک
میں نے اکثر سوچا
تو جس کو
دن کا آرام
نہ راتوں کی نیندیں حاصل ہیں
ساری دنیاؤں کی مسافت
کرتے کرتے
اپنے گلوں اور گلوں کے چرواہوں کی
چاہت کا دم بھرتے بھرتے
شہد کی نہریں زہر کے ساگر

اپنی نئے کی روتی ہوئی آنکھوں کے
بسکتے گیت سناؤں
تا کہ تو صدیوں کا جاگا تھکا ہوا
اس کھلی فصل کے میدانوں میں
کچھ لمحوں کو سو جائے — آرام کرے
مالک

تو میری باتوں پر
کتنی محبت سے ہنستا ہے
لیکن میرے عصر کے موسیٰ
بہم ہیں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سارے زمانے سارے ٹھکانے سارے فنانے
بھول کے میرے پاس آئے تو
میں تیرے ریشم جیسے
لانجے بالوں کو
بستی کے واحد چشمے کے
چاندی جیسے پانی سے دھوؤں
تیرے تھکے ہوئے شانوں کو
آہستہ آہستہ دابوں اور سہلاؤں
تیرے چھلنی چھلنی پاؤں کے تلوؤں سے
ساری تھکن کے کانٹے چُن لوں
تیرے دریدہ پیراہن کے
اک اک چاک کو ٹانگوں
اور جب تجھ کو پیاس لگے
یا بھوک لگے تو
سچے لفظوں کی سب سے اچھی بھیڑوں کا
خالص تازہ دودھ پلاؤں
اور پھر تجھ کو



مکین خوش تھے کہ جب بند تھے مکانوں میں
کھٹے کواڑ تو تالے پڑے زبانوں میں

عشق کا شہر بھی دیکھو کیا نرسنگ بھرا ہے
اب دیوانے کا دامن بھی سنگ بھرا ہے

درخت ماڈل کی مانند انتظار میں ہیں
طیور لوٹ کے آئے نہ اشیانوں میں

اب یہ کھلائے کتنی پرانی دشمنیاں تھیں
یاروں میں ہر ایک کا خضر رنگ بھرا ہے

ہوا کی زد پہ بھی دو اک چراغ روشن ہیں
بلا کے حوصلے دیکھے ہیں سخت جانوں میں

میرے بدل جانے پر تم کو حیرت کیوں ہے
میں نے یہ بہرہ واپس تمہارے رنگ بھرا ہے

مجھے ہلاک کیا اعتماد نے میرے
کہ میکتہ تھے سبھی میرے میزبانوں میں

قتل گہوں کا رستہ اوروں سے کیا پوچھیں
لہو کے چھینٹوں سے اک اک فرنگ بھرا ہے

کل آنے نے بڑے دکھ کی بات مجھ سے کہی
سراز تو بھی ہے گزے گئے زمانوں میں

○

بولتی آنکھوں کی چُپ بھی قاتل ہے لیکن
اُس کے سکوتِ چشم میں جو آہنگ بھرا ہے

اب کے ہم پر کیا سال پڑا لوگو
شہر میں آوازوں کا کال پڑا لوگو

کچھ تو فراز اپنے قصے بھی لیے ہی تھے
اور کچھ کہنے والوں نے بھی رنگ بھرا ہے

ہر چہرہ دو ٹুকڑوں میں تقسیم ہوا
اب کے دلوں میں ایسا بال پڑا لوگو

جب بھی دیارِ خندہ دلاں سے گزرتے ہیں
اس سے آگے شہرِ ملال پڑا لوگو

آئے رُت اور جلے رُت کی بات نہیں
اب تو عسروں کا جنجال پڑا لوگو

تلخ نواہی کا مجسم تھا صرف فراز
پھر کیوں سارے بلع پر جال پڑا لوگو

دست بستہ و کمر بستہ دل بستہ سہی
اس پہ بھی خوش ہو کہ دربار میں آئے تم ہو

○

ہٹے وہ صبح تما کہ نہ دیکھو گے سراز
ہٹے اُن شمعوں کی قسمت کہ جلائے تم ہو

جانے کس زعم میں مقتل کو بجائے تم ہو
مجھ کو کیا قتل کرو گے مرے سائے تم ہو

میرا پندار بڑھتا ہے اسی معیار کے ساتھ
جس رعونت سے مجھے دار پہ لائے تم ہو

اس نجات کے تہم سے عیاں ہیں یارو
آستینوں میں وہ خنجر کہ چھپائے تم ہو

دوست کا لطف تو احسان ہے جب ہو جائے
مہرباں پھر بھی بڑی دیر میں آئے تم ہو



ایک بد نما صبح
کے بارے میں — کچھ نظمیں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اک بوند تھی لہو کی سرِ دار تو گری
یہ بھی بہت سہے خوف کی دیوار تو گری

کچھ بُغچوں کی جُراآتِ رندانہ کے زہار
اب کے خطیبِ شہر کی دستار تو گری

کچھ سر بھی کٹ گئے ہیں پہ کبرا م تو چا
یوں قاتلوں کے ہاتھ سے تلوار تو گری

جم گیا ہے آنکھوں میں ایک بد نما منظر
اب تو سب کے سب چہرے قاتلوں سے لگتے ہیں

○

سارا شہر بلکتا ہے
پھر بھی کیا سکتا ہے

ہر کوئی تصویر نمسا
دور خلا میں تکتا ہے

گلیوں میں بارود کی بو
یا پھر خون مہکتا ہے

سب کے بازو تیغ بستہ
سب کا جسم دکھتا ہے

دل کا قصہ یا افسانہ دار کا ہے
ہر محل میں ذکر اسی دلدار کا ہے

ایک سفر وہ ہے جس میں
پاؤں نہیں دل تھکتا ہے

تیرا بچھڑنا جانِ غزل
شہرِ غزل کا قطع ہے

حلاوت

تُو نے کب یہ سوچا ہے معصوم ہے کون اور قاتل کون
تُو نے کب یہ دیکھا ہے کوئی چہرہ کیا لگتا ہے
ایسے بھی ہوتے ہونگے جن سے سُلی بھی شرماتی ہو
ایسے بھی جن سے دُار کا تختہ سجا سجا سا لگتا ہے

جھوٹ کا عمامہ ہے کوئی یا چہرہ ہے چھائی کا
تو کیا جانے کس کے مُنارہ سر پہ کند افگن ہے
وہ منصور کا حرفِ انا ہو یا عیسیٰ کی شمعِ دُعا
تجھ کو کیا پنخیرِ سرا کوئی مولا ہے یا بندہ ہے

چلو اُس شہر کا ماتم کریں

چلو اُس شہر کا ماتم کریں
جس کے سبھی موسم ہمیں پیارے تھے
وہ رُت چاک دامانی کی تھی
یا خون رونے کی
ہوائے مہرباں کی راہ تیکنے کا زمانہ تھا
کہ فصل لالہ لعلیں کی حسرت میں
بدن انگار ہونے کی
سبھی موسم ہمیں پیارے رہے اس شہر کے
جو بد مقدر تھا
کہ جس کی ساری دیواریں فصیلیں تھیں
کوئی روز نہ رکھتی تھیں
وہ جس کی دودکش پہنائیاں
آنکھیں جلاتی تھیں
مگر روشن نہ رکھتی تھیں

درباروں سے ہو کر جب انصاف کا قاصد آتا ہے
سب کو خبر ہے بے گنہی کا اکثر جو انجباں ہوا
میزانیں کن ہاتھوں میں تھیں جنبشِ ابرو کس کی تھی
کس پر اہل عدالت گرجے کس پر لطفِ اکرام ہوا

محل محل مقتل مقتل سب بسمل جلا دہے کون
کوئی سمجھ کر بھی نہیں سمجھے کوئی اشارہ جانے ہے
نام نہ کس کا دام ہے کس کا اور یہاں صیاد ہے کون
نبانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

یہی سنتے رہے ہم تم
انہیں کے دامنوں میں صبح صادق کا ستارا تھا
مگر اس مرتبہ
جس بچھٹنے کو
روشنی کا اذلیں زینہ سمجھ بیٹھے
اُسی کی آخری منزل پہ
اب سورج کی سیلی لاش رکھی ہے
(کبھی آسیب نے شب خون مارا تھا)
مگر اب سب کے چہرے اس قدر فق
اور بازو اس قدر شل ہیں
کہ جیسے کورچسماں گورکن
مصلوب سورج کی بجائے
شہر کو دفن کے آئے ہیں
چلو اُس شہر کا ماتم کریں
جس کے سبھی موسم ہمیں پیارے رہے
اور ہم جسے خود اپنے ہاتھوں سے
کفن پہنا کے آئے ہیں
جسے دفن کے آئے ہیں

ڈری سہمی ہوئی خلقت کی لاشیں
اس لئے گلیوں میں پھرتی تھیں
کہ وہ مدفن نہ رکھتی تھیں
مگر پھر بھی ہمیں اس شہر سے
کتنی محبت تھی

محبت ہے
کہ یہ شہر سحرنا آشنا
جس کا مقدر رات تھی یا صبح کا ذب تھی
گلی کوچوں میں
بازاروں میں
دھلیزوں پہ بیٹھے منتظر لوگو
تمہیں بھی صبح صادق کا تصور
خواب پیارا تھا
ہمیں بھی تھا
چلو تاروں کا قتل عام بھی ہم کو گوارا تھا
ہمیں بھی اور تمہیں بھی
جن سیہ راتوں نے مارا تھا

اس کی کھڑاؤں وہ لے جائے
جس نے صلیب بنائی تھی
چادر کا حستہ دار وہی ہے
جس نے کیل لگائی تھی
اور کانٹوں کا تاج ہے اُس کا
جس کی آنکھ بھرا آئی تھی

حرف کی شہادت

آؤ
اب ہم سب عیسیٰ ہیں
لوگوں کو بتلائیں
مردوں کو زندہ کرنے کا
مُعجزہ بھی دکھلائیں
لیکن اُس کا حرف تھا سب کچھ
حرف کہاں سے لائیں؟

آؤ جس عیسیٰ کو ہم نے سولی پر لٹکایا ہے
اُس کے لہو لہان بدن پر بین کریں
اور اشک بہائیں
فرض میں پورے اُتر چکے
اب فرض چُکائیں

○

جب یار نے رختِ سفر باندھا کب ضبطِ کاریا اُس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا کیا حال ہمارا اُس دن تھا

جب خواب ہوئیں اُسکی آنکھیں جب دُھند ہوا اُس کا چہرہ
ہر اشک ستارہ اُس شب تھا ہر زخمِ انگارہ اُس دن تھا

سب یاروں کے ہوتے سوتے ہم کس سے گلے مل کر روتے
کب گلیاں اپنی گلیاں تھیں کب شہر ہمارا اُس دن تھا

جب تجھ سے ذرا غافل ٹھہرے ہر یاد نے دل پر دستک دی
جب لب پہ تمہارا نام نہ تھا ہر دُکھ نے پکارا اُس دن تھا

اک تُم ہی فراز نہ تھے تنہا اب کے تو بلا و اجب آیا
اک بھیڑ لگی تھی مقتل میں ہر درد کا مارا اُس دن تھا

○

لباسِ دار نے منصبِ نیا دیا ہے اُسے
وہ آدمی تھا مسیحا بنا دیا ہے اُسے

مگر سکونتِ فلک بھی زمین جیسا تھا
دُعا نے نیم شبی نے بھی کیا دیا ہے اُسے

سفر طویل نہ درپیش ہو مسافر کو
جو نصفِ شب سے بھی پہلے جگا دیا ہے اُسے

وہ سب مرفوف کبے شکل تھے سلامت ہیں
جو لفظِ چہرہ منسا تھا مٹا دیا ہے اُسے

○

کچھ اپنے شہر کا قاتل بھی بے مروت تھا
کچھ اپنے عجز نے بھی حوصلہ دیا ہے اُسے

فغاں کہ اہل ہوس کی رقابتوں نے فراز
جو شخص جان جہاں ہمت اگنوا دیا ہے اُسے

رت جگے ہوں کہ بھر پور نیندیں مسلسل اُسے دیکھنا
وہ جو آنکھوں میں تھے اور آنکھوں سے اوجھل اُسے دیکھنا

اس کڑی دھوپ میں دل تپکتے ہیں اور بام پر وہ نہیں
کل نئے موسموں میں جب آئیں گے بادل اُسے دیکھنا

وہ جو خوشبو بھی ہے اور جگنو بھی ہے اور آنسو بھی ہے
جب ہوا گنگناٹے کی ناپے گا جنگل اُسے دیکھنا

جو ہواؤں میں ہے اور فضاؤں میں ہے اور دعاؤں میں ہے
کوئی پھیلائے دامن کہ لہرائے اسپنجل اُسے دیکھنا

شاعری میں بھی اس جانِ جاں کا سراپا سماتا نہیں
اور آنکھوں کی دیرینہ خواہش مکمل اُسے دیکھنا

○

یہ بھی کیا سوچنا ہے کہ ہر وقت ناداں اُسے سوچنا
یہ بھی کیا دیکھنا ہے کہ ہر سمت پاگل اُسے دیکھنا

جو کچھ کہیں تو دریدہ دہن کہا جائے
یہ شہر کیا ہے یہاں کیا سخن کہا جائے

شام وعدہ سہی دکھ زیادہ سہی پھر بھی دیکھو سنار
آج کشب اُسکی فرقت میں کہہ لو غزل کل اُسے دیکھنا

بضد ہے تیشہ خونیں لئے ہوئے کوئی شخص
کہ گورکن کو بھی اب کو حکن کہا جائے

اگر ہجوم صداؤں کے دیکھنا چاہو
تو شرط یہ ہے کہ پہلا سخن کہا جائے

چراغ بجھتے ہی رہتے ہیں پر جو ابکے ہوا
اُسے ہواؤں کا دیوانہ پن کہا جائے

عجیب رسم ہے جو صدر انجن ہو فراز
وہ چاہتے اُسے انجن کہا جائے

کہاں کی آنکھیں کہ اب تو چہروں پہ آبلے ہیں
اور آبلوں سے مہلا کوئی کیسے خواب دیکھے

عجب نہیں ہے جو خوشبوؤں سے ہے شہر خالی
کہ میں نے دھیلے زقالاتاں پر گلاب دیکھے

یہ ساعت دید اور وحشت بڑھ گئی ہے
کہ جیسے کوئی جنوں زدہ ماہتاب دیکھے

بُھے تو ہم مکتبی کے دن یاد آگئے ہیں
کہ میں اُسے پڑھ رہا ہوں اور وہ کتاب دیکھے

گرفتہ دل عندلیب گھائل گلاب دیکھے
محببتوں نے بھی رُتوں میں عذاب دیکھے

وہ دن بھی آئے صلیب گر بھی صلیب پر ہوں
یہ شہراک روز پھر سے یوم حساب دیکھے

یہ صبح کاذب تو رات سے بھی طویل تر ہے
کہ جیسے صدیاں گزر گئیں آفتاب دیکھے

وہ چشم محروم کتنی محروم ہے کہ جس نے
نہ خواب دیکھے نہ رنگوں کے عذاب دیکھے

دشمن کا قصیدہ

نہ کہ بارود کی نالی
نہ کہ فولاد کا خول
نہ کہ بزدل کا موقوف
نہ کہ کم ظرف کا بول
کہ ہمیشہ رہی تلوار
کبھی حرف صفا کی مانند
سچ کے پرچم کی طرح
دل کی صدا کی مانند
نہ کہ قلا کی قبا اور ریا کی مانند
نہ منہافت کی دعا کی مانند

ہم کہ تلوار کے دشمن تھے
کہ تلوار مدد دیتی اپنی
اب مرج خواں ہیں
کہ تلوار کا کردار بھی تھا
اور حریف اپنا
کوئی یار جگر دار بھی تھا
اور وہ یار جگر دار طرح دار بھی تھا

یہ راز نعرہ منصور ہی سے ہم پکھلا
کہ چوب منبر مسجد صلیب شہر بھی ہے

کڑی ہے جنگ کہ اب کے مقابلے پہ فراز
امیر شہر بھی ہے اور خطیب شہر بھی ہے

○

دفا کے بھیس میں کوئی رقیب شہر بھی ہے
مذکر کہ شہر کا ستارہ صلیب شہر بھی ہے

دُہی پاہ بستم خیمہ زن ہے چاروں طرف
جو میرے بخت میں تھا اب نصیب شہر بھی ہے

اُدھر کی آگ اُدھر بھی پہنچ نہ جائے کہیں
ہوا بھی تیز ہے جگہ قریب شہر بھی ہے

اب اُس کے بھر میں روتے ہیں اسکے گھائل بھی
خبر نہ تھی کہ وہ طنالم صلیب شہر بھی ہے

نہ واپسی کا گمان رکھنا
ہو انہیں سہمے ہوئے چراغوں سے کہہ گئی تھیں
کہ آنے والی راتوں کے آغاز تک
تمہارے نصیب میں روشنی کا کوئی سفر نہیں ہے
یہ مائیں پتھر بنی رہیں گی
اور اُنکے آنسو جھے رہیں گے
اور اُنکی آہیں تھمی رہیں گی
نہ جی سکیں گی
نہ مر سکیں گی

ہواؤں کی بشارت

تمام ماؤں کے ہونٹ پتھر ہیں
اور آنکھوں میں زحسم ہیں
اور دل تپکتے ہیں
رات کہتی ہے
”ان کے بیٹوں کو
شب گئے
چند لشکری
ساتھ لے گئے تھے
تو اب ملک اُنکی واپسی کی خبر نہیں ہے“

نہ مقتل نہ میلا تماشا کوئی
مگر جا بجائے سبب لوگ تھے

○

سبھی سر بہ جہدہ تھے دربار میں
ہم ایسے کہاں بے ادب لوگ تھے

عجب شہرت تھی اور عجب لوگ تھے
ہستم صورتیں تھیں غضب لوگ تھے

فساز اپنی بربادیوں کا سبب
نہ اب لوگ ہیں اور نہ جب لوگ تھے

فقیر اس گلی کے گداگر بنے
سراپا طلب بے طلب لوگ تھے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

وہ کافر اکیلا کھنچا دار پر
نساہ جنازہ میں سب لوگ تھے

انہیں راستوں پر کلاہیں گریں
انہیں رگزاروں میں جب لوگ تھے

یہ کس عذاب سے خائف مراقبہ سیدلہ ہے
کہ خون مل کے بھی چہروں کا رنگ پیلا ہے

یہ کیسی زہر بھری بارشیں ہوئیں اب کے
کہ میرے سارے گلابوں کا رنگ نیلا ہے

ہو کس طرح سے محبت کی گفتگو کہ ابھی
برے لہو سے ترا فرش و سقف گیدا ہے

گداگرانِ سخن کو نوید ہو کہ یہاں
نیک سری ہی فقط رزق کا وسیلہ ہے

فراز اسی لئے ہم زندگی پہ مرتے ہیں
کہ یہ بھی زندگی کرنے کا ایک حیلہ ہے

جنہیں زعم کما نذاری بُہت ہے
انہیں پر خوف بھی طاری بُہت ہے

کچھ آنکھیں بھی ہیں سینائی سے عاری
کچھ آنسو بھی رنگاری بُہت ہے

نہ جانے کب لٹے گا شہرِ مقتل
نساہے اب کے تیاری بُہت ہے

کچھ اب کے ٹٹا چاہتا خود بھی
کچھ اب کے فار بھی کاری بُہت ہے

یہاں پیہم قبیلے قتل ہونگے
یہاں شوقِ عزاداری بُہت ہے

شہر آشوب

دیکھنے والوں نے دیکھا ہے
اک شب جب شبِ خون پڑا
گلیوں میں بارود کی بڑبڑ
گلیوں پر سب خون پڑا

اب کے غیر نہیں تھا کوئی
گھر والے دشمن بن گئے
جن کو برسوں دودھ پلایا
ان ناگوں کے پھن بن گئے

رکھوالوں کی نیت بدلی
گھر کے مالک بن بیٹھے
جو غاصب تھے محن کش تھے
صوفی سالک بن بیٹھے

اپنی بود و باش نہ پوچھو
ہم سب بے توقیر ہوئے
کون گریباں چاک نہیں ہے
ہم ہوئے تم ہوئے میر ہوئے

سہی سہی دیواروں میں
سایوں جیسے رہتے ہیں
اس گھر میں آسیب بسا ہے
معاذِ کمال کہتے ہیں

ہمیں میں کوئی صبح سویرے
کھیت میں مُردہ پایا گیا
ہمیں ما دہشت گرد تھا کوئی
ٹھپ کے جسے دفنایا گیا

سارا شہر ہے مُردہ خانہ
کون اس بھید کو جانے گا
ہم سارے لاوارث لاشیں
کون ہمیں پہچانے گا

جو آواز جہاں سے اُٹھی
اس پر تیسرے تہرے برسے
ایسے ہونٹ سے لوگوں کے
سرگوشی کو بھی ترسے

گلی گلی میں بندی خانے
چوک چوک میں مقتل ہیں
جلادوں سے بھی بڑھ چڑھ کر
منصف وحشی پاگل ہیں

کتنے بے گنہوں کے گلے پر
روز کمندیں پڑتی ہیں
بُڑھے بچے گھروں سے غائب
بیٹیاں جیل میں سڑتی ہیں

محاصرہ

اس کے ناخن کھینچ لیئے ہیں
اس کے بدن کو داغ دیا
گھر گھر قبریں در در لاشیں
بجھا ہر ایک چہرہ دیا

مرے غنیم نے مجھ کو پیام بھیجا ہے
کہ حلقہ زن ہیں مرے گرد لشکری اُس کے
فیصل شہر کے ہر بزرگ ہر مسلمانے پر
کماں بدست ستادہ ہیں عسکری اُس کے

ماؤں کے ہونٹوں پر ہیں زمرے
اور بہنیں کڑلاتی ہیں
رات کی تاریکی میں ہوائیں
کیسے سندیے لاتی ہیں

وہ برق لہر بھجادی گئی ہے جس کی تپش
وجودِ خاک میں آتش فشاں جگاتی تھی
بچھا دیا گیا بازو اُس کے پانی میں
وہ جوئے آب جو میری گلی کو آتی تھی

قاتل اور درباری اس کے
اپنی ہسٹ پر قائم ہیں
ہم سب چور ٹھیرے ڈاکو
ہم سب کے سب مجرم ہیں

سبھی دریدہ دہن اب بدن دریدہ ہوئے
پیر و وار و رس سارے سرکشیدہ ہوئے

تمام صوفی و سالک سبھی شیوخ و امام
امید لطف پہ ایوان کجکلاہ میں ہیں
معزین عدالت حلف اٹھانے کو
مثال سائل مبرم نشتہ راہ میں ہیں

تم اہل عرف کے پندار کے ثنا گرتے تھے
وہ آسمان ہنر کے نجوم سامنے ہیں
بس اک مصاحب دربار کے اشارے پر
گدا گراں سخن کے نجوم سامنے ہیں

قلندرانِ دفا کی اساس تو دیکھو
تمہارے پاس ہے کون آس پاس تو دیکھو

سو شرط یہ ہے جو جاں کی امان چاہتے ہو
تو اپنے لوح و قلم قتل گاہ میں رکھ دو
وگرنہ اب کے نشانہ کسانداروں کا
بس ایک تم ہو سو غیرت کو راہ میں رکھ دو
یہ شرط نامہ جو دیکھا تو اچھی سے کہا

اُسے خبر نہیں تاریخ کیا سکھاتی ہے
کہ رات جب کسی خورشید کو شہید کرے
تو صبح اک نیا سورج تراش لاتی ہے

سو یہ جواب ہے میرا مرے عدو کے لئے
کہ مجھ کو حرمِ کرم ہے نہ خوفِ خمیازہ
اُسے ہے سطوتِ شمشیر پر گھمنڈ بہت
اُسے شکوہ قلم کا نہیں ہے اندازہ

مراقلم تو امانت ہے میرے لوگوں کی
مراقلم تو عدالت مرے ضمیر کی ہے
اسی لئے تو جو لکھتا تپاک جاں سے لکھا
بھی تو لوچ کہاں کا، زبان تیر کی ہے

میں کٹ گروں کہ سلامت رہوں یقین ہے مجھے
کہ یہ حصارِ ستم کوئی تو گرائے گا
تمام عسمر کی ایذا نصیبیوں کی قسم
مرے قلم کا سفر رائیگاں نہ جلے گا

سرشتِ عشق نے افستادگی نہیں پائی
تو قدِ سرود نہ بیسی و سایہ پیمانی!



مراقلم نہیں کردار اُس محافظ کا
جو اپنے شہر کو محصور کر کے ناز کرے
مراقلم نہیں کا سہ کسی سبک سر کا
جو غاصبوں کو قصیدوں سے سرفراز کرے

مراقلم نہیں اوزار اُس نقب زن کا
جو اپنے گھر کی ہی پھت میں شکاف ڈالتا ہے
مراقلم نہیں اس دزدِ نیم شب کا رفیق
جو بے چراغ گھروں پر کند اچھالتا ہے

مراقلم نہیں تسبیح اُس مستغ کی
جو بندگی کا بھی ہر دم حاب رکھتا ہے
مراقلم نہیں میسزان ایسے عادل کی
جو اپنے چہرے پہ دھرا نقاب رکھتا ہے